1

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

الرحیق المختوم

سیرتِ نبی پر دنیا بھر میں اوّل انعام یافتہ کتاب

المکتبۃ السلفیۃ لاہور

دارِ ارقم

ان ستم رانیوں کے مقابل حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو قولاً اور عملاً دونوں طرح اسلام کے اظہار سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپ ان کے ساتھ کھُلم کھُلا اکٹھا ہوتے تو مشرکین آپ کے تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان تصادم ہو سکتا تھا بلکہ عملاً سنہ ۴ نبوت میں ہو بھی چکا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار کفار قریش کے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا تو گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے۔ جواباً حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون بہ پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔[42]

---

۳۷ رحمۃ للعالمین ۱/۵۷، تلقیح الفہوم ص ۶۰ ۳۸ زنیرہ بروزن سکینہ، یعنی ز کو زیر اور نون کو زیر اور تشدید
۳۹ رحمۃ للعالمین ۱/۵۷، ابن ہشام ۱/۳۱۹ ۔ ۴۰ ابن ہشام ۱/۳۱۸، ۳۱۹
۴۱ رحمۃ للعالمین ۱/۵۸ ۔ ۴۲ ابن ہشام ۱/۲۶۳ مختصر السیرہ محمد بن عبدالوہاب ص ۶۰

یہ واضح ہی ہے کہ اگر اس طرح کا ٹکراؤ بار بار ہوتا اور طول پکڑ جاتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نوبت آسکتی تھی لہٰذا حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ کام پس پردہ کیا جائے۔ چنانچہ عام صحابہ کرام اپنا اسلام اپنی عبادت اپنی تبلیغ اور اپنے باہمی اجتماعات سب کچھ پس پردہ کرتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ کا کام بھی مشرکین کے رُو برُو کھلم کھلا انجام دیتے تھے اور عبادت کا کام بھی۔ کوئی چیز آپؐ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی، تاہم آپ بھی مسلمانوں کے ساتھ خود ان کی مصلحت کے پیش نظر خفیہ طور سے جمع ہوتے تھے۔ ادھر اَرقمؓ بن ابی الاَرقم مخزُومی کا مکان کوہِ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی مجلسوں سے دُور الگ تھلگ واقع تھا۔ اس لیے آپؐ نے پانچویں سنہ نبوت سے اسی مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماع کا مرکز بنالیا۔[۴۳]

پہلی ہجرتِ حبشہ | جَور و ستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے درمیان یا آخر میں شروع ہُوا تھا اور ابتداءً معمولی تھا مگر دن بدن اور ماہ بماہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کا وسط آتے آتے اپنے شباب کو پہنچ گیا حتّٰی کہ مسلمانوں کے لیے مکہ میں رہنا دوبھر ہوگیا۔ اور انہیں ان پیہم ستم رانیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لیے مجبور ہوجانا پڑا۔ ان ہی سنگین اور تاریک حالات میں سورۂ کہف نازل ہوئی۔ یہ اصلاً تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کیے گئے ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے مستقبل کے بارے میں نہایت بلیغ اشارات تھے چنانچہ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دین و ایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مراکز سے ہجرت کے لیے تن بہ تقدیر نکل پڑنا چاہیئے، ارشاد ہے :

وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ○ (۱۸:۱۶)

" اور جب تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے دوسرے معبودوں سے الگ ہوگئے تو غار میں پناہ گیر ہوجاؤ، تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا۔ اور تمہارے کام کے لیے تمہاری سہولت کی چیز تمہیں مہیا کریگا"

موسٰی اور خضر علیہما السلام کے واقعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں لہٰذا اس واقعے

---

[۴۳] مختصر السیرہ محمد بن عبد الوہاب ص ۶۱ ۔

ہیں اس بات کی طرف لطیف اشارہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم و تشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ ان ہی مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی قسمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے ۔

ذُوالقرنَیْن کے واقعے میں چند خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے ۔

۱۔ یہ کہ زمین اللہ کی ہے ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے ۔

۲۔ یہ کہ فلاح و کامرانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر کی راہ میں نہیں ۔

۳۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ رہ رہ کر اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس دور کے یاجوج و ماجوج سے نجات دلاتے ہیں ۔

۴۔ یہ کہ اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں ۔

پھر سورہ کہف کے بعد سورۂ زُمر کا نزول ہوا اور اس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا ۔ اور بتایا گیا کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے :

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۳۹ : ۱۰)

"جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے ، صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جاتے گا ۔"

ادھر رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اَصْحَمَہ نجاشی شاہ حبش ایک عادل بادشاہ ہے ۔ وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اس لیے آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے حبشہ ہجرت کر جائیں ۔ اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق رجب ۵ھ نبوی میں صحابہ کرامؓ کے پہلے گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی ۔ اس گروہ میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں ۔ حضرت عثمانؓ بن عفان ان کے امیر تھے اور ان کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی تھیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے[۴۴]

یہ لوگ رات کی تاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی نئی منزل کی جانب روانہ ہوئے ۔ رازداری

---

۴۴ مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص ۹۲، ۹۳ زاد المعاد ۱/۴۴، رحمۃ للعالمین ۱/۶۱ ۔

کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ رُخ بحرِ احمر کی بندرگاہ شُعَیْبَہ کی جانب تھا۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں موجود تھیں جو انہیں اپنے دامنِ عافیت میں لے کر سمندر پار حبشہ چلی گئیں۔ قریش کو کسی قدر بعد میں ان کی روانگی کا علم ہو سکا۔ تاہم انہوں نے پیچھا کیا اور ساحل تک پہنچے لیکن صحابہؓ کرام آگے جا چکے تھے، اس لیے نامراد واپس آ گئے۔ ادھر مسلمانوں نے حبشہ پہنچ کر بڑے چین کا سانس لیا[۴۵] اسی سال رمضان شریف میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ ایک بار حرم تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کا بہت بڑا مجمع تھا۔ ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ آپؐ نے ایک دم اچانک کھڑے ہو کر سورہ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ ان کفار نے اس سے پہلے عموماً قرآن سنا نہ تھا کیونکہ ان کا دائمی وطیرہ قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (۲۶:۴۱)

"اس قرآن کو مت سنو اور اس میں خلل ڈالو۔ (اور دھم مچاؤ) تاکہ تم غالب رہو۔"

لیکن جب نبی ﷺ نے اچانک اس سورہ کی تلاوت شروع کر دی۔ اور ان کے کانوں میں ایک ناقابلِ بیان رعنائی و دلکشی اور عظمت لئے ہوئے کلامِ الٰہی کی آواز پڑی تو انہیں کچھ ہوش نہ رہا۔ سب کے سب گوش بر آواز ہو گئے کسی کے دل میں کوئی اور خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب آپؐ نے سورہ کے اَواخر میں دل ہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ کا یہ حکم سنایا کہ:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ (۶۲:۵۳)

"اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔"

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر حق کی رعنائی و جلال نے مُتکبرین و مُستہزئین کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک کر دیا تھا اس لیے انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہ گیا تھا اور وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑے تھے[۴۶]

بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ کلامِ الٰہی کے جلال نے ان کی لگام موڑ دی۔ اور وہ ٹھیک وہی کام کر بیٹھے جسے مٹانے اور ختم کرنے کے لیے انہوں نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رکھا

---

۴۵ رحمۃ للعالمین ۱/۶۱، زاد المعاد ۱/۲۴

۴۶ صحیح بخاری میں اس سجدے کا واقعہ ابنِ مسعود اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مختصراً مروی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

تھا اور اس کے ساتھ ہی اس واقعے میں غیر موجود مشرکین نے ان پر ہر طرف سے عتاب اور ملامت کی بوچھاڑ شروع کی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے رسُول اللہ ﷺ پر یہ افترا پردازی کی اور یہ جھوٹ گھڑا کہ آپؐ نے ان کے بتوں کا ذکر عزت و احترام سے کرتے ہُوئے یہ کہا تھا کہ :

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى ، وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

" یہ بلند پایہ دیویاں ہیں۔ اور ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے ۔"

حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا جو محض اس لیے گھڑ لیا گیا تھا تاکہ نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی جو"غلطی" ہو گئی ہے اس کے لیے ایک"معقول" عذر پیش کیا جا سکے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ پر ہمیشہ جھوٹ گھڑتے اور آپؐ کے خلاف ہمیشہ دسیسہ کاری اور افترا پردازی کرتے رہے تھے وہ اپنا دامن بچانے کے لیے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ گھڑتے [۴۷]

بہرحال مشرکین کے سجدہ کرنے کے اس واقعے کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو بھی معلوم ہُوئی لیکن اپنی اصل صورت سے بالکل ہٹ کر یعنی انہیں یہ معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ماہِ شوال میں مکّہ واپسی کی راہ لی لیکن جب اتنے قریب آ گئے کہ مکہ ایک دن سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو حقیقت حال آشکارا ہوئی۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو سیدھے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا قریش کے کسی آدمی کی پناہ لے کر مکّے میں داخل ہُوئے [۴۸]

دوسری ہجرت حبشہ

اس کے بعد ان مہاجرین پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً قریش کا ظلم و تشدد اور جور و ستم اور بڑھ گیا اور ان کے خاندان والوں نے انہیں خوب ستایا کیونکہ قریش کو ان کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک کی جو خبر ملی تھی اس پر وہ نہایت چیں بجبیں تھے۔ ناچار رسُول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو پھر ہجرت حبشہ کا مشورہ دیا، لیکن یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت کے بالمقابل اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہُوئے تھی۔ کیونکہ اب کی بار قریش پہلے سے ہی چوکنا تھے اور ایسی کسی کوشش کو ناکام بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ مستعد ثابت ہُوئے اور اللہ نے ان کے لیے سفر آسان بنا دیا چنانچہ وہ قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ حبش کے پاس پہنچ گئے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) دیکھئے باب سجدۃ النجم اور باب سجود المسلمین والمشرکین ۱/۱۴۶ اور باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ بمکۃ ۱/۵۴۳

[۴۷] محققین نے اس روایت کے تمام طرق کے تحلیل و تجزیے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔

[۴۸] زاد المعاد ۱/۲۴، ۲/۴۴، ابن ہشام ۱/۳۶۴ ۔

اس دفعہ کل ۸۲ یا ۸۳ مردوں نے ہجرت کی (حضرت عمار کی ہجرت مختلف فیہ ہے) اور اٹھارہ یا انیس عورتوں نے [۴۹] علامہ منصورپوری ؒ نے یقین کے ساتھ عورتوں کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے [۵۰]